بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کے مباحثہ پر مسیح موعود حکم ربانی کا ریویو اور اپنی جماعت کے لئے ایک نصیحت

فریقین کی تحریرات سے معلوم ہوا کہ مباحثہ مندرجہ عنوان کے پیش آنے کی وجہ یہ تھی کہ مولوی عبداللہ صاحب احادیث نبویہ کو محض ردّی کی طرح خیال کرتے ہیں اور ایسے الفاظ مُنہ پر لاتے ہیں جن کا ذکر کرنا بھی سوءِ ادب میں داخل ہے۔ اور مولوی محمد حسین صاحب نے اُن کے مقابل پر یہ حجت پیش کی تھی کہ اگر احادیث ایسی ہی ردّی اور لغو ناقابل اعتبار ہیں تو اس سے اکثر حصّے عبادات اور مسائل فقہ کے باطل ہو جائیں گے۔ کیونکہ احکام قرآنی کی تفاصیل کا پتہ حدیث کے ذریعہ سے ہی ملتا ہے۔ ورنہ اگر صرف قرآن کو ہی کافی سمجھا جائے تو پھر محض قرآن کے رُو سے اِس پر کیا دلیل ہے کہ فریضہ صبح کی دو رکعت اور مغرب کی تین اور باقی تین نمازیں چار چار رکعت ہیں۔ یہ اعتراض ایک زبردست پیرایہ میں۔ گو اپنے اندر ایک غلطی رکھتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس اعتراض کا مولوی عبداللہ صاحب نے کوئی شافی جواب نہیں دیا۔ محض فضول باتیں ہیں جو لکھنے کے بھی لائق نہیں۔ ہاں اس اعتراض کا نتیجہ آخر کار یہ ہوا کہ مولوی عبداللہ صاحب کو ایک نئی نماز بنانی پڑی جس کا جمیع اسلام کے فرقوں میں نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ اُنہوں نے التحیات اور درود اور دیگر تمام ادعیہ ماثورہ جو نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ درمیان سے اُڑا دیں۔ اور اُن کی جگہ صرف قرآنی آیتیں رکھ دیں۔ ایسا ہی اور بہت کچھ نمازیں

تبدیلی کی جس کے ذکر کی اس جگہ ضرورت نہیں اور شاید مسائل حج و زکوٰۃ وغیرہ میں بھی تبدیلی کی ہو گی۔ لیکن کیا یہ سچ ہے کہ حدیثیں ایسی ہی ردّی اور لغو ہیں جیسا کہ مولوی عبداللہ صاحب نے سمجھا ہے معاذ اللہ ہرگز نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ان ہر دو فریق میں سے ایک فریق نے افراط کی راہ اختیار کر رکھی ہے اور دُوسرے نے تفریط کی۔ فریق اوّل یعنی مولوی محمد حسین صاحب اگرچہ اس بات میں سچ پر ہیں کہ احادیث نبویہ مرفوعہ متصلہ ایسی چیز نہیں ہیں کہ اُن کو ردّی اور لغو سمجھا جائے لیکن وُہ حفظِ مراتب کے قاعدہ کو فراموش کر کے احادیث کے مرتبہ کو اس بلندی پر چڑھاتے ہیں جس سے قرآن شریف کی ہتک لازم آتی ہے اور اس سے انکار کرنا پڑتا ہے اور کتاب اللہ کی مخالفت اور معارضت کی وُہ کچھ بھی پروا نہیں کرتے اور حدیث کے قصّہ کو اُن قصّوں پر ترجیح دیتے ہیں جو کتاب اللہ میں بتصریح موجود ہیں۔ اور حدیث کے بیان کو کلام اللہ کے بیان پر ہر ایک حالت میں مقدم سمجھتے ہیں اور یہ صریح غلطی اور جادۂ انصاف سے تجاوز ہے۔ اللہ جلّشانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ[1]۔ یعنے خدا اور اُسکی آیتوں کے بعد کس حدیث پر ایمان لائیں گے۔ اِس جگہ حدیث کے لفظ کی تنکیر جو فائدہ عموم کا دیتی ہے صاف بتلا رہی ہے کہ جو حدیث قرآن کے معارض اور مخالف پڑے اور کوئی راہ تطبیق کی پیدا نہ ہو۔ اُس کو ردّ کر دو۔ اور اس حدیث میں ایک پیشگوئی بھی ہے جو بطور اشارۃ النص اس آیت سے مترشح ہے اور وُہ یہ کہ خدا تعالیٰ آیۃ ممدوحہ میں اس بات کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ ایک ایسا زمانہ بھی اِس اُمّت پر آنے والا ہے کہ جب بعض افراد اس اُمّت کے قرآن شریف کو چھوڑ کر ایسی حدیثوں پر بھی عمل کریں گے جن کے بیان کردہ بیان قرآن شریف کے بیانات سے مخالف اور معارض ہونگے۔ غرض یہ فرقہ اہلحدیث اس بات میں افراط کی راہ پر قدم مار رہا ہے کہ قرآنی شہادت پر حدیث کے بیان کو مقدم سمجھتے ہیں۔ اور اگر وہ انصاف اور خدا ترسی سے کام لیتے تو ایسی حدیثوں کی تطبیق قرآن شریف سے کر سکتے تھے مگر وُہ اِس بات پر راضی ہو گئے کہ

ص۷

[1] الجاثیۃ: ۷

خدا کے قطعی اور یقینی کلام کو بطور متروک اور مہجور کے قرار دیں اور اِس بات پر راضی نہ ہُوئے کہ ایسی حدیثوں کو جن کے بیانات کتاب اللہ سے مخالف ہیں یا تو چھوڑ دیں اور یا اُنکی کتاب اللہ سے تطبیق کریں پس یہ وُہ افراط کی راہ ہے جو مولوی محمد حسین نے اختیار کر رکھی ہے۔

اور ان کے مخالف مولوی عبداللہ صاحب نے تفریط کی راہ پر قدم مارا ہے جو سرے سے احادیث سے انکار کر دیا ہے۔ اور احادیث سے انکار ایک طور سے قرآن شریف کا بھی انکار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[1] پس جبکہ خدا تعالیٰ کی محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے وابستہ ہے اور آنجناب کے عملی نمونوں کے دریافت کیلئے جنپر اتباع موقوف ہے حدیث بھی ایک ذریعہ ہے۔ پس جو شخص حدیث کو چھوڑتا ہے وہ طریق اتباع کو بھی چھوڑتا ہے اور مولوی عبداللہ صاحب کا یہ قول کہ تمام حدیثیں محض شکوک اور ظنون کا ذخیرہ ہے۔ یہ قلّت تدبّر کی وجہ سے خیال پیدا ہُوا ہے اور اِس خیال کی اصل جڑ محدثین کی ایک غلط اور نامکمل تقسیم ہے جس نے بہت سے لوگوں کو دھوکا دیا ہے کیونکہ وُہ یُوں تو تقسیم کرتے ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں ایک تو کتاب اللہ ہے اور دُوسرے حدیث اور حدیث کتاب اللہ پر قاضی ہے۔ گویا احادیث ایک قاضی یا جج کی کُرسی پر بیٹھی ہیں۔ اور قرآن اُن کے سامنے ایک مستغیث کی طرح کھڑا ہے اور حدیث کے حکم کے تابع ہے۔ ایسی تقریر سے بیشک ہر ایک کو دھوکا لگے گا کہ جبکہ حدیثیں سَو ڈیڑھ سو برس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جمع کی گئی ہیں اور انسانی ہاتھوں کے مَس سے وُہ خالی نہیں ہیں اور با ایں ہمہ وُہ احاد کا ذخیرہ اور ظنّی ہیں اور اُن میں قسم متواترات شاذ و نادر جو حکم معدوم کا رکھتی ہیں اور پھر وُہی قرآن شریف پر قاضی بھی ہیں تو اِس سے لازم آتا ہے کہ تمام دین اسلام ظنیات کا ایک تودہ اور انبار ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ظن کوئی چیز نہیں ہے اور جو شخص محض ظن کو پنجہ مارتا ہے وُہ مقام بلند حق سے بہت نیچے گرا ہُوا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا[2] یعنے محض ظن حق الیقین کے مقابلہ پر کچھ چیز نہیں پس قرآن شریف تو

[1] آل عمران: ۳۲ [2] یونس: ۳۷

یوں ہاتھ سے گیا کہ وہ بغیر قاضی صاحب کے فتووں کے واجب العمل نہیں اور متروک اور مہجور ہے اور قاضی صاحب یعنے احادیث صرف ظن کے میلے کچیلے کپڑے زیب تن رکھتے ہیں جن سے احتمال کذب کسی طرح مرتفع نہیں۔ کیونکہ ظن کی تعریف یہی ہے کہ وہ دروغ کے احتمال سے خالی نہیں ہوتا۔ پس اس صورت میں نہ تو قرآن ہمارے ہاتھ میں رہا۔ اور نہ حدیث اس لائق کہ اسپر بھروسہ ہوسکے۔ گویا دونوں ہاتھ سے گئے یہ غلطی ہے جس نے اکثر لوگوں کو ہلاک کیا۔*

اور صراط مستقیم جس کو ظاہر کرنے کیلئے مَیں نے اس مضمون کو لکھا ہے یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں اسلامی ہدایتوں پر قائم ہونے کیلئے تین چیزیں ہیں (۱) قرآن شریف جو کتاب اللہ ہے جس سے بڑھ کر ہاتھ میں کوئی کلام قطعی اور یقینی نہیں وہ خدا کا کلام ہے وہ شک اور ظن کی آلائشوں سے پاک ہے۔ (۲) دوسری سُنت اور اس جگہ ہم اہلحدیث کی اصطلاحات سے الگ ہو کر بات کرتے ہیں یعنی ہم حدیث اور سُنت کو ایک چیز قرار نہیں دیتے جیسا کہ رسمی محدثین کا طریق ہے۔ بلکہ حدیث الگ چیز ہے اور سُنت الگ چیز۔ سُنت سے مراد ہماری صرف آنحضرتؐ کی فعلی روش ہے جو اپنے اندر تواتر رکھتی ہے۔ اور ابتداء سے قرآن شریف کے ساتھ ہی ظاہر ہوئی اور

صفحہ ۲۱۰

* نوٹ۔ مَیں جب اشتہار کو ختم کر چکا شاید دو تین سطریں باقی تھیں تو خواب نے میرے پر زور کیا یہاں تک کہ مَیں بمجبوری کاغذ کو ہاتھ سے چھوڑ کر سو گیا تو خواب میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی نظر کے سامنے آ گئے۔ مَیں نے ان دونوں کو مخاطب کر کے یہ کہا خسف القمر والشمس فی رمضان۔ فبایّ اٰلاء ربکما تکذّبٰن یعنے چاند اور سُورج کو تو رمضان میں گرہن لگ چکا پس تم اے دونوں صاحبو! کیوں خدا کی نعمت کی تکذیب کر رہے ہو۔ پھر مَیں خواب میں اخویم مولوی عبدالکریم صاحب کو کہتا ہوں کہ اٰلاء سے مراد اس جگہ مَیں ہوں۔ اور پھر مَیں نے ایک دالان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا کہ اسمیں چراغ روشن ہے گویا رات کا وقت ہے اور اسی الہام مندرجہ بالا کو چند آدمی چراغ کے سامنے قرآن شریف کھولکر اس سے یہ دونوں فقرے نقل کر رہے ہیں گویا اسی ترتیب سے قرآن شریف میں وہ موجود ہے اور ان میں سے ایک شخص کو مَیں نے شناخت کیا کہ میاں نبی بخش صاحب رفوگر امرتسری ہیں۔ منہ

ہمیشہ ساتھ ہی رہے گی۔ یا بہ تبدیل الفاظ یُوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن شریف خدا تعالیٰ کا قول ہے اور سُنّت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اور قدیم سے عادۃ اللہ یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام خدا کا قول لوگوں کی ہدایت کیلئے لاتے ہیں تو اپنے عملی فعل سے یعنی عملی طور پر اس قول کی تفسیر کر دیتے ہیں تا اس قول کا سمجھنا لوگوں پر مشتبہ نہ رہے اور اس قول پر آپ بھی عمل کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی عمل کراتے ہیں (۳) تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے۔ اور حدیث سے مُراد ہماری وُہ آثار ہیں کہ جو قصّوں کے رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریباً ڈیڑھ سو برس بعد مختلف راویوں کے ذریعوں سے جمع کئے گئے ہیں۔ پس سُنّت اور حدیث میں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ سُنّت ایک عملی طریق ہے جو اپنے ساتھ تواتر رکھتا ہے جس کو آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھ سے جاری کیا اور وہ یقینی مراتب میں قرآن شریف سے دُوسرے درجہ پر ہے۔ اور جس طرح آنحضرتؐ قرآن شریف کی اشاعت کے لئے مامور تھے ایسا ہی سُنّت کی اقامت کے لئے بھی مامور تھے۔ پس جیسا کہ قرآن شریف یقینی ہے ایسا ہی سُنّت معمولہ متواترہ بھی یقینی ہے۔ یہ دونوں خدمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے بجالائے اور دونوں کو اپنا فرض سمجھا۔ مثلاً جب نماز کے لئے حکم ہُوا تو آنحضرتؐ نے خدا تعالیٰ کے اِس قول کو اپنے فعل سے کھول کر دکھلا دیا اور عملی رنگ میں ظاہر کر دیا کہ فجر کی نماز کی یہ رکعات ہیں اور مغرب کی یہ اور باقی نمازوں کیلئے یہ یہ رکعات ہیں۔ ایسا ہی حج کر کے دکھلایا۔ اور پھر اپنے ہاتھ سے ہزارہا صحابہ کو اِس فعل کا پابند کر کے سلسلہ تعامل بڑے زور سے قائم کر دیا۔ پس عملی نمونہ جو اب تک اُمّت میں تعامل کے رنگ میں مشہود و محسوس ہے اِسی کا نام سُنّت ہے۔ لیکن حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رُوبرو نہیں لکھوایا اور نہ اسکے جمع کرنے کیلئے کوئی اہتمام کیا۔ کچھ حدیثیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جمع کی تھیں لیکن پھر تقویٰ کے خیال سے اُنہوں نے وُہ سب حدیثیں جلا دیں کہ یہ میرا اسماع بلا واسطہ نہیں ہے خدا جانے اصل حقیقت کیا ہے۔ پھر جب وُہ دَور صحابہ رضی اللہ عنہم کا گذر گیا تو بعض تبع تابعین کی طبیعت کو خدا نے اس طرف پھیر دیا کہ حدیثوں کو بھی جمع کر لینا چاہیئے

تب حدیثیں جمع ہوئیں۔ اِس میں شک نہیں کہ اکثر حدیثوں کے جمع کرنے والے بڑے مُتقی اور پرہیزگار تھے اُنہوں نے جہانتک اُنکی طاقت میں تھا حدیثوں کی تنقید کی اور ایسی حدیثوں سے بچنا چاہا جو اُنکی رائے میں موضوعات میں سے تھیں اور ہرایک مشتبہ الحال راوی کی حدیث نہیں لی۔ بہت محنت کی مگر تاہم چونکہ وُہ ساری کارروائی بعدازوقت تھی اِسلیئے وہ سب ظن کے مرتبہ پر رہی باایںہمہ یہ سخت ناانصافی ہوگی کہ یہ کہا جائے کہ وُہ سب حدیثیں لغواور نکمّی اور بےفائدہ اور جھوٹی ہیں بلکہ اُن حدیثوں کے لکھنے میں اسقدر احتیاط سے کام لیا گیا ہے اور اسقدر تحقیق اور تنقید کی گئی ہے جو اسکی نظیر دُوسرے مذاہب میں نہیں پائی جاتی۔ یہودیوں میں بھی حدیثیں ہیں اور حضرت مسیح کے مقابل پر بھی وُہی فرقہ یہودیوں کا تھا جو عامل بالحدیث کہلاتا تھا لیکن ثابت نہیں کیا گیا کہ یہودیوں کے محدثین نے ایسی احتیاط سے وُہ حدیثیں جمع کی تھیں جیسا کہ اسلام کے محدثین نے۔ تاہم یہ غلطی ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ جبتک حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں اُسوقت تک لوگ نمازوں کی رکعات سے بیخبر تھے یا حج کرنے کے طریق سے ناآشنا تھے۔ کیونکہ سلسلہ تعامل نے جو سُنّت کے ذریعے سے اُن میں پیدا ہوگیا تھا تمام حدود اور فرائض اسلام انکو سکھلا دیئے تھے اِسلیئے یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اُن حدیثوں کا دُنیا میں اگر وُجود بھی نہ ہوتا جو مدّت دراز کے بعد جمع کی گئیں تو اسلام کی اصلی تعلیم کا کچھ بھی حرج نہ تھا۔ کیونکہ قُرآن اور سلسلہ تعامل نے اُن ضرورتوں کو پُورا کر دیا تھا۔ تاہم حدیثوں نے اس نور کو زیادہ کیا۔ گویا اسلام نُورٌ علیٰ نُور ہوگیا اور حدیثیں قرآن اور سُنّت کیلیئے گواہ کی طرح کھڑی ہوگئیں اور اسلام کے بہت سے فرقے جو بعد میں پیدا ہوگئے اُن میں سے سچے فرقے کو احادیث صحیحہ سے بہت فائدہ پہنچا۔ پس مذہب اسلم یہی ہے کہ نہ تو اس زمانہ کے اہلحدیث کی طرح حدیثوں کی نسبت یہ اعتقاد رکھا جائے کہ قرآن پر وُہ مقدم ہیں اور نیز اگر اُنکے قصّے صریح قُرآن کے بیانات سے مخالف پڑیں تو ایسا نہ کریں کہ حدیثوں کے قصّوں کو قرآن پر ترجیح دیجاوے اور قرآن کو چھوڑ دیا جائے اور نہ حدیثوں کو مولوی عبداللہ چکڑالوی کے عقیدہ کی طرح محض لغو اور باطل ٹھیرایا جائے بلکہ چاہیئے کہ قرآن اور سُنّت کو حدیثوں پر قاضی سمجھا جائے۔

ص ۵

اور جو حدیث قرآن اور سُنّت کے مخالف نہ ہو اُسکو بسر و چشم قبول کیا جاوے یہی صراطِ مستقیم ہے۔ مبارک وُہ جو اسکے پابند ہوتے ہیں۔ نہایت بدقسمت[1] اور نادان وہ شخص ہے جو بغیر لحاظ اس قاعدہ کے حدیثوں کا انکار کرتا ہے۔

ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سُنّت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو اُسپر وُہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اُسکو ترجیح دیں۔ اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ سُنّت میں اور نہ قرآن میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کرلیں کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے اور اگر بعض موجودہ تغیرات کی وجہ سے فقہ حنفی کوئی صحیح فتویٰ نہ دے سکے تو اس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خداداد اجتہاد سے کام لیں لیکن ہوشیار رہیں کہ مولوی عبداللہ چکڑالوی کی طرح بے وجہ احادیث سے انکار نہ کریں ہاں جہاں قرآن اور سُنّت سے کسی حدیث کو معارض پاویں تو اُس حدیث کو چھوڑ دیں۔ یاد رکھیں کہ ہماری جماعت بہ نسبت عبداللہ کے اہلحدیث سے اقرب ہے اور عبداللہ چکڑالوی کے بیہودہ خیالات سے ہمیں کچھ بھی مناسبت نہیں۔ ہر ایک جو ہماری جماعت میں ہے اُسے یہی چاہیئے کہ وُہ عبداللہ چکڑالوی

[1] آج رات مجھے رؤیا میں دکھایا گیا کہ ایک درخت باردار اور نہایت لطیف اور خوبصورت اور پھلوں سے لدا ہوا ہے اور کچھ جماعت تکلف اور زور سے ایک بوٹی کو اُسپر چڑھانا چاہتی ہے جسکی جڑھ نہیں بلکہ چڑھا رکھی ہے۔ وُہ بوٹی افتیمون کی مانند ہے اور جیسے جیسے وُہ بوٹی اُس درخت پر چڑھتی ہے اُسکے پھلوں کو نقصان پہنچاتی ہے اور اس لطیف درخت میں ایک کھجواہٹ اور بدشکلی پیدا ہو رہی ہے اور جن پھلوں کی اس درخت سے توقع کی جاتی ہے اُنکے ضائع ہونے کا سخت اندیشہ ہے بلکہ کچھ ضائع ہو چکے ہیں۔ تب میرا دل اس بات کو دیکھ کر گھبرایا اور پگھل گیا اور مَیں نے ایک شخص کو جو ایک نیک اور پاک انسان کی صورت پر کھڑا تھا پُوچھا کہ یہ درخت کیا ہے اور یہ بوٹی کیا ہے جس نے ایسے لطیف درخت کو شکنجہ میں دبا رکھا ہے تب اُس نے جواب میں مجھے یہ کہا کہ یہ درخت قرآن خدا کا کلام ہے اور یہ بوٹی وُہ احادیث اور اقوال وغیرہ ہیں جو قرآن کے مخالف ہیں یا مخالف ٹھہرائی جاتی ہیں اور انکی کثرت نے اس درخت کو دبا لیا ہے اور اسکو نقصان پہنچا رہی ہیں تب میری آنکھ کھل گئی چنانچہ مَیں آنکھ کھلتے ہی اسوقت جو رات کے اس مضمون کو لکھ رہا ہوں اور اب ختم کرتا ہوں اور یہ شنبہ کی رات ہے اور ۱۲ بجے کے بعد ۲۰ منٹ کم دو بجے کا وقت ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ م غ ۱

کے عقیدوں سے جو حدیثوں کی نسبت وُہ رکھتا ہے بدل متنفر اور بیزار ہو۔ اور ایسے لوگوں کی صحبت سے حتی الوسع نفرت رکھیں کہ یہ دُوسرے مخالفوں کی نسبت زیادہ برباد شدہ فرقہ ہے*۔ اور چاہیئے کہ نہ وُہ مولوی محمد حسین کے گروہ کی طرح حدیث کے بارہ میں افراط کی طرف جھکیں اور نہ عبداللہ کی طرح تفریط کی طرف مائل ہوں بلکہ اس بارہ میں وسط کا طریق اپنا مذہب سمجھ لیں۔ یعنی نہ تو ایسے طور سے بکلّی حدیثوں کو اپنا قبلہ و کعبہ قرار دیں جس سے قرآن متروک اور مہجور کی طرح ہو جائے۔ اور نہ ایسے طور سے اُن حدیثوں کو معطّل اور لغو قرار دیدیں جن سے احادیث نبویہ بکلّی ضائع ہو جائیں۔ ایسا ہی چاہیئے کہ نہ تو ختم نبوۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کریں اور نہ ختم نبوۃ کے یہ معنے سمجھ لیں جس سے اس اُمّت پر مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ کا دروازہ بند ہو جائے۔ اور یاد رہے کہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ آخری کتاب اور آخری شریعت قرآن ہے اور بعد اسکے قیامت تک ان معنوں سے کوئی نبی نہیں ہے جو صاحبِ شریعت ہو یا بلا واسطہ متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی پاسکتا ہو بلکہ قیامت تک یہ دروازہ بند ہے اور متابعت نبوی سے نعمتِ وحی حاصل کرنے کیلئے قیامت تک دروازے کھلے ہیں۔ وُہ وحی جو اتباع کا نتیجہ ہے کبھی منقطع نہیں ہوگی مگر نبوت شریعت والی یا نبوت مستقلہ منقطع ہو چکی ہے ولا سبیل الیھا الیٰ یوم القیٰمۃ ومن قال انی لست من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وادعی انہ نبی صاحب الشریعہ او من دون الشریعۃ ولیس من الامّۃ فمثلہ کمثل رجل غمرہ السیلُ المنھمر فالقاہ وراءہ ولم یغادر حتی مات۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس جگہ یہ وعدہ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اُسی جگہ یہ اشارہ بھی فرمادیا ہے کہ آنجناب اپنی رُوحانیت کی رُو سے اُن صلحاء کے حق میں باپ کے حکم میں ہیں جنکی بذریعہ متابعت تکمیل نفوس کیجاتی ہے اور وحی الٰہی اور شرف مکالمات کا انکو بخشا جاتا ہے۔

---

* اسی رات میں ایک الہام ہوا وقت ۳ بجے ۲ منٹ اُوپر اور وُہ یہ ہے من اعرض عن ذکری نبتلیہ بذریۃ فاسقۃٍ ملحدۃ یمیلون الی الدنیا ولا یعبدوننی شیئا۔ جو شخص قرآن سے کنارہ کریگا ہم اسکو ایک خبیث اولاد کے ساتھ مبتلا کرینگے جنکی ملحدانہ زندگی ہوگی۔ وُہ دُنیا پر گرینگے اور میری پرستش سے انکو کچھ بھی حصّہ نہ ہوگا یعنی ایسی اولاد کا انجام ہوگا اور توبہ اور تقویٰ نصیب نہیں ہوگا۔ منہ

جیسا کہ وُہ جلّشانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین[1] یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مَردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ہے مگر وُہ رسُول اللہ ہے اور خاتم الانبیاء ہے۔ اب ظاہر ہے کہ لکن کا لفظ زبان عرب میں استدراک کے لئے آتا ہے یعنی تدارک مافات کے لئے۔ سو اِس آیت کے حصّہ میں جو امر فوت شدہ قرار دیا گیا تھا یعنے جسکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے نفی کی گئی تھی وُہ جسمانی طور سے کسی مرد کا باپ ہونا تھا۔ سو لکن کے لفظ کے ساتھ ایسے فوت شدہ امر کا اِس طرح تدارک کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا جسکے یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد براہ راست فیوض نبوّت منقطع ہو گئے۔ اور اب کمال نبوّت صرف اُسی شخص کو ملیگا جو اپنے اعمال پر اتباع نبوی کی مُہر رکھتا ہوگا۔ اور اِس طرح پر وُہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا اور آپ کا وارث ہوگا۔ غرض اِس آیت میں ایک طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ ہونے کی نفی کی گئی۔ اور دُوسرے طور سے باپ ہونے کا اثبات بھی کیا گیا۔ تا وُہ اعتراض جس کا ذکر آیت ان شانئك هو الابتر[2] میں ہے دُور کیا جائے۔ ماحصل اِس آیت کا یہ ہوا کہ نبوّت گو بغیر شریعت ہو۔ اِس طرح پر تو منقطع ہے کہ کوئی شخص براہ راست مقامِ نبوّت حاصل کر سکے۔ لیکن اِس طرح پر ممتنع نہیں کہ وُہ نبوّت چراغ نبوّت محمدیہ سے مکتسب اور مستفاض ہو۔ یعنی ایسا صاحب کمال ایک جہت سے تو اُمّتی ہو۔ اور دُوسری جہت سے بوجہ اکتساب انوارِ محمدیہ نبوّت کے کمالات بھی اپنے اندر رکھتا ہو اور اگر اِس طور سے بھی تکمیل نفوس مستعدہ اُمّت کی نفی کی جائے۔ تو اِس سے نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں طور سے ابتر ٹھہرتے ہیں نہ جسمانی طور پر کوئی فرزند نہ رُوحانی طور پر کوئی فرزند۔ اور معترض سچا ٹھہرتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ابتر رکھتا ہے۔

اب جبکہ یہ بات طے پا چکی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت مستقلہ جو

[1] الاحزاب: ۴۱ [2] الکوثر: ۴

براہِ راست ملتی ہے۔* اس کا دروازہ قیامت تک بند ہے اور جبتک کوئی اُمتی ہونے کی حقیقت اپنے اندر نہیں رکھتا اور حضرت محمدؐ کی غلامی کی طرف منسوب نہیں تب تک وُہ کسی طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ظاہر نہیں ہوسکتا۔ تو اس صورت میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کو آسمان سے اُتارنا اور پھر اُن کی نسبت تجویز کرنا کہ وُہ اُمتی ہیں اور اُنکی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغِ نبوتِ محمدیہ سے مکتسب اور مستفاض ہے کس قدر بناوٹ اور تکلّف ہے۔ جو شخص پہلے ہی نبی قرار پا چکا ہے۔ اُسکی نسبت یہ کہنا کیونکر صحیح ٹھہریگا کہ اسکی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغِ نبوت سے مستفاد ہے۔ اور اگر اس کی نبوت چراغِ نبوت محمدیہ سے مستفاد نہیں ہے تو پھر وُہ کن معنوں سے اُمتی کہلائیگا۔ اور ظاہر ہے کہ اُمت کے معنے کسی پر صادق نہیں آسکتے جبتک ہر ایک کمال اُسکا نبی متبوع کے ذریعہ سے اسکو حاصل نہ ہو۔ پھر جو شخص اتنا بڑا کمال نبی کہلانے کا خود بخود رکھتا ہے وُہ اُمتی کیونکر ہُوا بلکہ وُہ تو مستقل طور پر نبی ہوگا جس کے لئے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قدم رکھنے کی جگہ نہیں۔ اور اگر کہو کہ پہلی نبوت اُسکی جو براہِ راست تھی دُور کیجائے گی اور اب از سرِ نو باتباعِ نبوی نئی نبوت اسکو ملیگی جیسا کہ منشاء آیت کا ہے۔ تو اس صُورت میں یہی اُمت جو خیر الامم کہلاتی ہے حق رکھتی ہے کہ ان میں سے کوئی فرد بیُمنِ اتباعِ نبویؐ اِس مرتبہ ممکنہ کو پہنچ جائے اور حضرت عیسٰی کو آسمان سے اُتارنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اگر اُمتی کو بذریعہ انوار محمدی کمالاتِ نبوت مل سکتے ہیں تو اِس صُورت میں کسی کو آسمان سے اُتارنا اصل حقدار کا حق ضائع کرنا ہے اور کون مانع ہے جو کسی اُمتی کو فیض پہنچایا جائے۔ تا نمونہ فیض محمدیؐ کسی پر مشتبہ نہ رہے۔ کیونکہ نبی کو نبی بنانا کیا معنی رکھتا ہے۔ مثلاً

صــ۸

* بعض نیم مُلا میرے پر اعتراض کرکے کہتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خوشخبری دے رکھی ہے کہ تم میں تیس ۳۰ دجّال آئیں گے۔ اور ہر ایک اُن میں سے نبوت کا دعویٰ کریگا۔ اِس کا جواب یہی ہے کہ اے نادانو! بدنصیبو!! کیا تمہاری قسمت میں تیس دجّال ہی لکھے ہُوئے تھے۔ چودھویں صدی کا خمس بھی گذرنے پر ہے اور خلافت کے چاند نے اپنے کمال کی چودہ۱۴ منزلیں پُوری کرلیں جسکی طرف آیت وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ[1] بھی اشارہ کرتی ہے اور دُنیا ختم ہونے لگی مگر تم لوگوں کے دجّال ابھی ختم ہونے میں نہیں آتے شاید تمہاری موت تک تمہارے ساتھ رہیں گے اے نادانو! وہ دجّال جو شیطان کہلاتا ہے وُہ خود تمہارے اندر ہے۔ اِس لئے تم وقت کو نہیں پہچانتے آسمانی نشانوں کو نہیں دیکھتے۔ مگر تم پر کیا افسوس وُہ جو میری طرح موسٰی کے بعد چودھویں صدی میں ظاہر ہُوا تھا۔ اُس کا نام بھی خبیث یہودیوں نے دجّال ہی رکھا تھا۔ فَالْقُلُوْبُ تَشَابَهَتْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ۔ منہ

[1] یٰس: ۴۰

ایک شخص سونا بنانے کا دعویٰ رکھتا ہی اور سونے پر ہی ایک بوٹی ڈال کر کہتا ہی کہ لو سونا ہو گیا۔ اس سے کیا یہ ثابت ہو سکتا ہی کہ وُہ کیمیاگر ہی۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض کا کمال تو اس میں تھا کہ اُمتی کو وُہ درجہ ورزش اتباع سے پیدا ہو جائے۔ ورنہ ایک نبی کو جو پہلے ہی نبی قرار پا چکا ہی اُمتی قرار دینا اور پھر یہ تصور کر لینا کہ جو اسکو مرتبہ نبوت حاصل ہی وُہ بوجہ اُمتی ہونے کے ہی نہ خود بخود یہ کس قدر دروغ بیفروغ ہی۔ بلکہ یہ دونوں حقیقتیں متناقض ہیں کیونکہ حضرت مسیح کی حقیقت نبوت یہ ہے کہ وہ براہِ راست بغیر اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انکو حاصل ہی۔ اور پھر اگر حضرت عیسیٰ کو اُمتی بنایا جائے جیسا کہ حدیث اِمامکم منکم سے مترشح ہی تو اسکے یہ معنے ہوں گے کہ ہر ایک کمال اُنکا نبوت محمدیہ سے مستفاض ہی اور ابھی ہم فرض کر چکے تھے کہ کمال نبوت اُنکی کا چراغ نبوت محمدیہ سے مستفاض نہیں ہی اور یہی اجتماع نقیضین ہے جو بالبداہت باطل ہی۔ اور اگر کہو کہ حضرت عیسیٰ اُمتی تو کہلائینگے مگر نبوت محمدیہ سے انکو کچھ فیض نہ ہوگا۔ تو اس صورت میں اُمتی ہونے کی حقیقت اُنکے نفس میں سے مفقود ہوگی۔ کیونکہ ابھی ہم ذکر کر آئے ہیں کہ اُمتی ہونے کے بجز اسکے اور کوئی معنے نہیں کہ تمام کمال اپنا اتباع کے ذریعہ رکھتا ہو جیسا کہ قرآن شریف میں جا بجا اسکی تصریح موجود ہی اور جبکہ ایک اُمتی کیلئے یہ دروازہ کھلا ہی کہ اپنے نبی متبوع سے یہ فیض حاصل کرے تو پھر ایک بناوٹ کی راہ اختیار کرنا اور اجتماع نقیضین جائز رکھنا کس قدر حمق ہی اور وہ شخص کیونکر اُمتی کہلا سکتا ہی جسکو کوئی کمال بذریعہ اتباع حاصل نہیں۔ اس جگہ بعض نادانوں کا یہ اعتراض بھی دفع ہو جاتا ہی کہ وحی الٰہی کے دعویٰ کو یہ امر مستلزم ہے کہ وہ وحی اپنی زبان میں ہو نہ عربی میں۔ کیونکہ اپنی مادری زبان اُس شخص کیلئے لازم ہی جو مستقل طور پر بغیر استفادہ مشکوٰۃ نبوت محمدی کے دعویٰ نبوت کرتا ہی۔ لیکن جو شخص بحیثیت ایک اُمتی ہونے کے فیض نبوت محمدیہ سے اکتساب انوار نبوت کرتا ہی وُہ مکالمہ الٰہیہ میں اپنے متبوع کی زبان میں وحی پاتا ہے تا تابع اور متبوع میں ایک علامت ہو جو اسکے باہمی تعلق پر دلالت کرے۔ افسوس حضرت عیسیٰ پر ہر ایک طور سے یہ لوگ ظلم کرتے ہیں اوّل بغیر تصفیہ اعتراض لعنت کے انکے جسم کو آسمان پر چڑھاتے ہیں جس سے اصل اعتراض یہودیوں کا اُنکے سر پر قائم رہتا ہی۔ دوسرے کہتے ہیں کہ قرآن میں انکی موت کا کہیں ذکر نہیں گویا انکی خدائی کیلئے ایک وجہ پیدا کرتے ہیں۔ تیسری نامرادی کی حالت میں آسمان کی طرف انکو کھینچتے ہیں۔ جس نبی کے ابھی بارانِ[۱۲] حواری بھی زمین پر موجود نہیں اور کار تبلیغ ناتمام ہی اُسکو آسمان کیطرف کھینچنا اُس کیلئے ایک دوزخ ہی کیونکہ رُوح اسکی تکمیل تبلیغ کو چاہتی ہی اور اسکو برخلاف مرضی اسکی آسمان پر بٹھایا جاتا ہی۔ مَیں اپنے نفس کی نسبت دیکھتا ہوں کہ بغیر تکمیل اپنے کام کے اگر مَیں زندہ آسمان پر اُٹھایا جاؤں اور گو ساتویں آسمان تک پہنچایا جاؤں تو مَیں اس میں خوش نہیں ہوں کیونکہ جب میرا کام ناقص رہا تو مجھے کیا خوشی ہو سکتی ہی۔ ایسا ہی انکو بھی آسمان پر جانے سے کوئی خوشی نہیں مخفی طور پر ایک ہجرت تھی جسکو نادانوں نے آسمان قرار دے دیا خدا ہدایت کرے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ المشتہر مرزا غلام احمد قادیانی [illegible]